مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا
تحریری وتقریری اسلوب

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی متنوع اور گوناگوں شخصیت ایک انجمن کی حامل ہے وہ بیک وقت شہرہ آفاق عالم دین، مایہ ناز مفکر و مبلغ ممتاز مفسر و محدث، معروف مورخ و محقق، مشہور سیرت نگار و سوانح نویس، وسیع القلب درویش، مصلح قوم، مقبول پاسبان ملت و میر کاروان، بلند پایہ مبصر و ناقد اور صاحب طرز انشاء پرداز ادیب کی حیثیت سے جو شہرت و نیک نامی اور سربلندی حاصل کی وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی۔

مولانا کو اردو اور عربی زبان و ادب پر یکساں عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی تحریر اور تقریر میں علمیت اور ادبیت کے ساتھ ساتھ صداقت و طہارت، فضیلت و حکمت، رفعت و وسعت، فصاحت و بلاغت اور دعوت و عزیمت بدرجہ اتم کارفرما نظر آتی ہے۔ مولانا نے اپنے علمی، ادبی، تاریخ اور تحقیقی کاموں سے سارے عالم کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ مولانا اپنی وسعت نظری، فکر انگیزی فراخدلی، انسان دوستی، بلند طبعی اور عالی حوصلگی سے علم و ادب کی تمام تحریکات سے استفادہ کیا، پھر اپنا ایک منفرد اور مخصوص نقطۂ نظر احیائے اسلام ملک و ملت کی اصلاح و فلاح سے عبارت تھا۔ مولانا اپنے طالب علمی کے زمانے سے ہی تصنیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر عبدالعلیؒ کی ایما پر ۱۶ سال کی عمر میں ماہنامہ توحید امرتسر میں شائع شدہ ''ہندوستان کا مجاہد اعظم یا مجدد اعظم'' مولوی محی الدین منصوری کے مضمون کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اس مضمون کو علامہ سید رشید رضا نے اپنے رسالہ ''المنار'' میں شائع کیا اور ساتھ میں یہ بھی لکھا کہ اگر چاہیں تو اسے رسالے کی شکل میں بھی شائع کیا جاسکتا ہے۔ جو بعد میں رسالہ کی شکل میں شائع ہوا۔ پہلی تخلیق کے بارے میں کاروان زندگی حصہ اول ص ۱۱۸ میں آپ لکھتے ہیں کہ ''اس سے بڑھ کر ایک ہندی نوعمر کا کیا اعزاز ہوسکتا ہے کہ اس کا رسالہ علامہ سید رشید رضا مصر سے شائع کریں۔ تھوڑے عرصہ میں ''ترجمہ الامام السید احمد بن عرفان الشہید'' کے عنوان سے وہ رسالہ چھپ کر آ گیا اور میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ میری عمر اس وقت سولہ سال رہی ہوگی۔ یہ میری پہلی تصنیف ہے جو نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر سے شائع ہوئی''۔

اس کے بعد مولانا نے علم و ادب میں قدم رکھا تو اپنے غیر معمولی تبحر علمی، فکر انگیزی اولوالعزمی اور شرافت نفسی سے مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ آپ کی نثر پختہ اور پر اثر ہے۔ جسے پڑھ کر دل میں نغمگی اور شیرینی کا احساس ہوتا ہے اور نثر میں شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں سے حسن بیان میں زبردست رعنائی اور دلکشی پیدا ہوگئی۔ اس کی ایک مثال الطریق الی المدینہ'' جس کا اردو ترجمہ'' کاروان مدینہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے مقدمہ میں ص ۱۱ پر مفکر شیخ علی طنطاوی نے آپ کی تصنیف کے مقدمہ میں واضح الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں ''ادب سے میرا اعتماد اٹھنے لگا تھا۔ چونکہ ادیبوں میں وہ آسمانی نغمہ عرصہ سے نظر نہیں آتا جس کی لے میں شریف رضی (عہد عباسی کا نامور ہاشمی شاعر) کے وقت سے لے کر عبدالرحیم برعی تک شعراء گاتے رہے۔ جب میں نے آپکی کتاب پڑھی تو یہ کھویا ہوا نغمہ پھر مجھے مل گیا۔ یہ نغمہ آپکی اس نثر میں ملا جو حقیقتاً شاعری ہے لیکن بے ردیف اور قافیہ کی شاعری، برادرم ابوالحسن آپ کا صد ہزار شکریہ کہ آپ نے دوبارہ میرے اندر اپنی ذات اور اپنے ادب پر اعتماد بحال کیا۔'' اسی تصنیف سے ایک مختصر سا اقتباص ماحظہ فرمائیں

''انسانیت کا جسم تر و تازہ تھا مگر دل نڈھال، دماغ تھکا ہوا۔ ضمیر بے حس و مردہ، نبض ڈوب رہی تھی اور آنکھیں پتھرانے والی تھیں، ایمان و یقین کی دولت سے عرصہ ہوا انسانیت محروم ہو چکی تھی۔..... بادشاہ دوسروں کے خون پر پلتے تھے اور بستیاں اجاڑ کر بستے تھے۔ ان کے کتے موج کرتے تھے اور انسان دانہ دانہ کو ترستے۔ زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ جینا دوبھر تھا۔ جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ جانور سمجھا جاتا تھا دنیا کی اصلاح انسانوں کے بس سے باہر تھی۔ پانی سر سے اونچا ہوگیا تھا۔ معاملہ ایک ملک کی آزادی اور ایک قوم کی ترقی کا نہ تھا۔ معاملہ پوری انسانیت کی موت و زندگی کا تھا سوال کسی ایک خرابی کا نہ تھا۔ انسانیت کا بدن داغ داغ تھا، دامن تار تار۔ اصلاح کے لئے جو لوگ آگے بڑھے وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے ؎ تیرے دل میں بہت کام رفو کا نکلا

فلسفی حکیم شاعر اور ادیب کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا۔ سب اس وبا کے شکار تھے۔ مریض مریض کا علاج کیسے کرے؟ اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ تھا۔ آخر کار اس نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی۔ ایک پیغمبر بھیجا کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی دنیا کو کوئی بنا نہیں سکتا تھا۔ اس پیغمبر کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہے۔''

حضرت علی میاںؒ زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لئے جنوری ۱۹۵۸ء میں رابطہ عالم اسلامی کے قیام کا اعلان کیا۔ ایک سال بعد جنوری ۱۹۸۶ء میں رابطہ کی پہلی کانفرنس لکھنو میں ہوئی تو ادب اسلامی کی بنیادیں مضبوط کرنے، ادب اسلامی کے فن تنقید کے ضوابط مرتب کرنے، جدید ادبی فنون یعنی حکایتی اقسام ادب اور ادبی

سوانح عمریوں کے بارے میں اسلامی اصول طے کرنے، ادب اسلامی کی تاریخ از سرنو مرتب کرنے، اسلامی ادباء کے مثالی نمونے جمع کرنے، ادب اطفال کی تیاری پر توجہ دینے، ادب اسلامی کی حیثیت کو تسلیم کرنے اور دنیا کے اسلامی ادیبوں کے درمیان خوشگوار رابطہ قائم کرنے، بامقصد ادب کی تخلیق کی راہ ہموار کرنے اور اسلامی ادباء کے مادی ومعنوی حقوق کا تحفظ اور دفاع کرنے نیز ان کے تخلیقی ادب کی اشاعت کا بندوبست کرنے کے ساتھ ہی اس کے اعلیٰ نصب العین یہ طے کیا کہ ادیب خیر کا ذریعہ اور تعمیر کا وسیلہ بنے اور شر کا ذریعہ اور تخریب کا وسیلہ نہ بنے۔ اسلامی شعر وادب کے فروغ کے لئے آپ نے تمام تحریکوں کا مطالعہ کیا اور پھر آپ نے ادب کے بارے میں حتمی نقطۂ نگاہ ان الفاظ میں بیان کیا ''ادب، ادب ہے خواہ وہ کسی بھی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو۔ کسی آسمانی صحیفہ میں ہو۔ اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو۔ سمجھنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح سے کہہ دی سننے والا اس سے لطف اٹھائے اور اسے قبول کرے۔''

یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ زبان آسان، عام فہم اور سلیس ہو کہ قاری آسانی سے سمجھ سکے اور دل کی بات دل میں بیٹھ جائے۔ آپ نے ۲۶/جون ۱۹۶۹ء ،لندن کی لیڈس یونیورسٹی کے طلباء سے مخاطب ہو کر مسلم قائدین میں گرمئ گفتار اور ایمانی قوت کی کمی کی جانب اشارہ کیا اور کہا ''دل کی زبان سے وہ بالکل نا آشنا ہیں، وہ ان سے اس زبان میں بات نہیں کر سکتے جو سیدھی ان کے دل میں اتر جائے، جوان کے دلوں کے سازوں کو چھیڑ دے جوان کو دیوانہ اور مجنوں بنا دے۔ جوان کو ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان میں لے آئے۔ ایمان کی زبان، قرآن کی زبان، صحابہ کی زبان۔ جب تک کوئی شخص کسی کی زبان نہ جانے وہ اس سے کیسے بات کر سکتا ہے۔ میں اگر یہاں کے انگریزی فضلاء سے بات کرنا چاہوں اور مجھے انگریزی پر قدرت نہ ہو اور وہ میری زبان نہ سمجھتے ہوں تو ''زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم'' کا منظر ہوگا۔''

حضرت مولانا صرف تحریر کے ہی نہیں تقریر کے میدان کے شہ سوار تھے۔ جب وہ تقریر کرتے تھے تو لگتا تھا کہ جیسے الفاظ کا بحر بیکراں دماغ سے نکل کر زبان پر آنے کے لئے بے قرار ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں اپنی بات ایسے پر اثر انداز سے بیان کرتے کہ وہ عوام کو بھلی لگتی اور دل پر اثر کر جاتی تھی۔ لکھنو کے تبلیغی اجتماع کی تقریر کا یہ اقتباس دیکھئے جس میں سلاست، روانی اور ادبیت کیسے کارفرما نظر آرہی ہے۔

''آج غیر مذہبی انسان، غیر مذہبی انسان سے لڑ رہا ہے، آج غرض سے غرض لڑ رہی ہے۔ آج ہوس سے ہوس ٹکرا رہی ہے، آج شیطان سے شیطان ٹکرا رہا ہے، آج حکومت سے حکومت لڑ رہی ہے، آج پارٹی سے پارٹی لڑ رہی ہے، ہماری لڑائی اغراض کی ہے۔ کبھی مخلص مخلص سے لڑ نہیں سکتا، کبھی روحانیت روحانیت سے نہیں لڑ سکتی۔ ہمیشہ باطل باطل سے لڑتا ہے۔ ہمیشہ اغراض اغراض سے لڑتے ہیں۔ سارا فساد دنیا میں اغراض کا ہے.....مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔'' (مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں ص ۱۳۸)

اور جب کبھی تقریر میں اصلاحی پہلو آجاتا ہے تو حضرت کا لہجہ قدرے درشت ہو جاتا ہے اور خطاب ناصحانہ شکل اختیار کر جاتا ہے مثال کے طور پر ملت کی بے راہ روی اور شریعت سے سرد مہری جب ان سے برداشت نہیں ہوتی تو وہ برجستہ کہہ اٹھتے ہیں ''ارے صاحب یہ امت مرحومہ، یہ اشرف الامم کس طرح ذلیل اور کیسی خوار ہے۔ ہر جگہ پٹ رہی ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ آپ اپنی زندگی میں کونسی تبدیلی لائے۔ اتنے دنوں سے وعظ ہو رہے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ نہ شادی بیاہ کے رسم ورواج میں کوئی فرق ہے۔ بیس برس پہلے اور دس برس پہلے جو طرز زندگی تھا وہی آج بھی ہے، حقوق العباد میں مال میں، معاملات میں دیانتداری کو ضروری نہیں سمجھتا جو لگ جائے وہ اپنا مال۔ (تعمیر حیات اگست ۱۹۸۲ء ص ۱)

سرزمین عرب پر رہنے والوں اور وہاں سے معاشی فائدہ اٹھانے والوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ۱۳/اپریل ۱۹۹۵ء کو مولانا چاہتے تھے کہ یہ مقالہ جو عربی زبان میں لکھا گیا تھا پڑھیں لیکن دوحہ کے جامع مسجد میں جہاں شرکاء ہزاروں کی تعداد میں حاضر تھے ''اقوام عالم کے درمیان امت اسلامیہ کا حقیقی وزن اور دنیا میں اس کی کارکردگی کا اصلی میدان'' کے عنوان سے تقریر کی، دوحہ یونیورسٹی کے تحقیقی مجلس کی ایک نشست میں مقالہ کا ایک حصہ ''عالم اسلامی کی موجودہ صورت حال اور اسکے مقابلہ واصلاح کا صحیح طریقہ کار'' پڑھا گیا۔ اس مقالہ کا بنیادی مقصد امت اسلامیہ کو اس کا بنیادی عمل اور فریضہ یاد دلانا ہے، وہ یہ کہ میدان بدر میں قلت تعداد، قلت اسلحہ، اور قوتوں اور تعداد میں تفاوت عظیم کے باوجود خلاف قیاس اور خلاف تجربہ، کس شرط اور امتیاز وخصوصیت کی بنا پر اس کو فتح و غلبہ عطا کیا گیا جس کے نتیجہ میں تمام مظاہر عظمت وقوت اور وسعت وطاقت کے ساتھ وجود میں آیا۔

''ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ، فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون'' اس آیت کریمہ میں معرکہ بدر کا ذکر ہے، مختصر سی آیت ہے لیکن اس کے اندر ہمارے لئے بہت سامان عبرت ہے۔ ایک سبق ہے جو فکر کو جلا بخشتا رہے گا عزائم کو سینوں میں بیدار رکھے گا، یہی نہیں بلکہ اس آیت میں ہماری حیثیت کا تعین بھی ہے، اقوام عالم میں ہمارا

کیا کردار ہونا چاہئے اور زندگی کے ہر موڑ پر بدلتے ہوئے حالات میں ہمارا کیا موقف ہونا چاہئے اس کی طرف واضح رہنمائی ہے۔

آج عالم اسلام میں جو حکومتیں ہیں دولت کی ریل پیل، زندگی کی آسائشیں، علم وفن کا چرچا، کتب خانے، مدرسے یونیورسٹیاں ہیں زندگی کی سرگرمیوں کے تمام میدان موجود ہیں، یہ سب کے سب بلا کسی استثناء کے معرکہ بدر میں فتح ونصرت کا صدقہ ہیں۔ اگر اس جنگ میں کفار کی سازش کامیاب ہو جاتی.....تو آج عالم اسلام کا وجود ہی نہ ہوتا، اور نہ اس کی سرگرمیاں..... جب زندگی ہی سرے سے نہ ہوتی تو پھر زندگی کے کوئی مظاہر بھی نہ ہوتے۔ یہ تاریخ کا ٹھوس، نا قابل انکار اور پائدار حقیقت ہے۔.....

لیکن آپ حضرات میں جن کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہے، تاریخ وسیرت نبوی کا مطالعہ کر چکے ہیں وہ اس معرکہ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے جب گذرتے ہیں تو ایک اور صرف ایک جملہ ان کی توجہات کا مرکز بن جاتا ہے۔ وہ حیرت وعظمت کے جذبات سے سرشار ہو جاتے ہیں، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو سرسری طور پر اس جملہ کو پڑھتے ہیں اور سرسری طور پر گذر جاتے ہیں، حالانکہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اسکو سرسری اور سطحی طور پر کوئی پڑھ کر گذر جائے یہ جملہ حیران اور ششدر کرنے والا جملہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ کا معائنہ کیا کفار کی قوت، ان کے سروسامان جنگی ہتھیار اور ان کی کثرت تعداد اور ان کے تیور دیکھا اور پھر مسلمانوں کی تعداد اور سامان جنگ کی انتہائی قلت نظر آئی۔ ایک طرف کفار کا یہ عزم وجوش کہ اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکیں گے، دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان جو کفار کی مہم کو ناکام بنانے کے لیے آئے تھے جہاد فی سبیل اللہ جنکا مقصد اور آخرت جن کا مقصود تھی دونوں فوجوں کے درمیان فرق معمولی نہیں غیر معمولی تھا، وہ ہزار کی تعداد میں اور یہ صرف تین سو تیرہ انبیائے کرام باوجود اس کے اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہمیشہ بھروسہ رکھتے تھے.....پھر بھی ناموس فطرت اور دنیائے اسباب کی سنت سے بھی واقف ہوتے ہیں اس لئے وہ کبھی حقائق کا جائزہ لینے سے غافل نہیں رہتے۔ جائزہ لینے کے بعد آپ کو صاف نظر آ گیا کہ مسلمانوں کی فتح صرف قوت کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتی، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریاد رسی نہ ہو ان کمزور اور نہتے مسلمانوں کی دستگیری عالم غیب سے نہ ہوتی تو کامیابی مشکل ہی نہیں محال ہے، واضح طور پر کھلی مدد کی ضرورت تھی جو تمام تصورات تخمینات، اندازوں وجائزوں سے ماوراخرق عادت اور معجزہ کی شکل میں سامنے آئے۔ اس حقیقت پسندانہ جائزہ کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہو کر عرض کیا اللھم ان تُہلِک ھذہ العِصابۃَ لاتُعبَد یعنی اے اللہ اگر تو نے اس مختصر جماعت کو ہلاک کر دیا تو تیری عبادت نہ ہوگی۔ یعنی اے اللہ اگر تو نے اس مختصر جماعت کی شکست کرادی تو دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔.....لیکن صرف ایک بات نہ ہوگی وہ ہے خالص تیری ذات پاک کی عبادت، تیرے احکام کا دنیا میں نفاذ اور تیرے دین حنیف کی بقاء یہ کام نہ ہوگا اور سب کچھ ہوگا یہی جماعت ہے جو توحید کی داعی اور تیری عبادت گزار ہے جس کا بھروسہ صرف تجھ پر اور جس کا اعتماد تیری ذات پاک پر ہے،.....ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور غنی ذات کو دیکھتا ہے دوسری طرف رسول برحق کی زبان پاک سے ایسے الفاظ سنتا ہے جس کا مطلب ہے کہ اے اللہ اگر تو اس مختصر گروہ کو ختم کر دیا تو تیری حکمرانی باقی نہیں رہے گی۔ ایسے پر ہول لمحات میں یہ دعا اللہ نے قبول فرمالی۔ اور اس عظیم تفاوت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہم کنار کیا۔ مسلمانوں کو صرف اس لئے باقی رکھا گیا ہے ان کے وجود سے دعوت الی اللہ کا سلسلہ قائم رہے۔ اگر خدانخواستہ یہ مقصد فوت ہو گیا تو خواہ دنیا کی دولت ان کو مل جائے پھر بھی ان کے بقا کی کوئی ضمانت نہیں کی جاسکتی۔ اگر مسلمان دعوت حق سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے تو پھر دنیا میں ان کے حفظ وبقا کی کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی۔ امانت خداوندی یعنی دعوت الی اللہ جس سے صرف اللہ کی پرستش ہو اور اس کا پیغام سرمدی دنیا میں باقی رہے اور غلبہ وسطوت صرف اللہ کا رہے اس کے احکام زمین پر جاری ہوں، زندگی کے ہر موڑ پر اس کے احکام کی پیروی ہو اور دینی تعلیمات تمام بدلتے ہوئے حالات میں رہنما ہوں۔ یہ نہیں ہوگا اور جب یہ نہ ہوگا تو اللہ تعلیٰ کی خصوصی نعمت ونوازش بے پایاں سے امت محروم ہو جائے گی۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نکتہ کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھیں۔ اللہ تعلیٰ نے اپنے رسول کی دعا قبول فرمائی تھا اور مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح سے ہم کنار کیا تھا، اللہ نے اپنے رسول کو سچا کر دکھایا۔ اسی بنیاد پر اس وقت کے مسلمان زندگیاں گزار رہے تھے اور ایک مسلم معاشرہ صحیح معنوں میں وجود میں آیا اور ایک اسلامی زندگی عہد نبوی، عہد خلافت راشدہ اور متعدد اور طویل تاریخ زبانوں میں سایہ فگن رہی۔

لیکن افسوس کہ ہم نے ان مقاصد اور روح، جذبات اور ان دینی اور ایمانی محرکات عمل کا حصہ کھو دیا، ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اور ہر ایسے عرب واسلامی ممالک و شہر میں اسلامی زندگی کو سایہ فگن دیکھیں جو نگاہوں سے بھی نظر آتی ہو تجربہ وعمل میں بھی اس کا مشاہدہ ہوتا ہو اور ہر انسان اس زندگی کا لطف اور فائدہ اٹھا سکے اسکے

بڑے اجزاء اور مظاہر کیا ہی؟ توحید پر استقامت، اللہ اور اس کے کلام پر کامل ایمان، دنیا پر آخرت کی ترجیح اور اس پر اور اللہ کے خوف وخشیت پر ثبات واستقامت اہل اسلام اور اہل ایمان کو ان عناصر اور جماعتوں پر ترجیح دینا جو اس دولت سے محروم ہیں شریعت اسلامی پر مکمل طریقہ پر عمل اور مرد ہوں یا خواتین ہر طبقہ کی اس پر استقامت، پھر دنیا کو خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دینا اور اس کی کوشش کرنا کہ دنیا میں اللہ ہی کی حکومت اور فرمانبرداری کا رواج ہو۔

ان تقاریر کے علاوہ اور بھی بہت سی تقریریں رسائل کی شکل میں دستیاب ہیں مثلاً اسلام مکمل دین مستقل مذہب، ایک بہتر ہندوستانی سماج کی تشکیل، لسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ اوس سے سبق، محسن عالمؐ، قادیانیت: اسلام، نبوت محمدی کے خلاف ایک بغاوت، پیام انسانیت، مقام انسانیت، دوانسانی چہرے قرآنی مرقع میں، نیا طوفان اور اس کا مقابلہ، اسلام اور مغرب، خواص ملت میں ان کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں، عصر جدید کا چیلنج اور اس کا جواب، حالات کا نیا رخ اور علماء دین کی ذمہ داری، نشان راہ، مسلمانان ہند سے صاف صاف باتیں، اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں دنیا میں آنے والے انسان۔ چمن کے پھول یا کانٹے، پندرھویں صدی ہجری ماضی وحال کے آئینہ میں۔ اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر، ترکی کی مجاہد ملت اسلامی، تحریک آزادی اور اصلاح عوام میں ادب اسلامی کا حصہ، امت مسلمہ کی دوہری ذمہ داری، مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت واہمیت، جب پڑھے لکھے آدمی پر ہسٹیریا کا دورہ پڑتا ہے وغیرہ ان تقاریر کے عناوین سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے، سماج اور دین پر آپ کی گہری نظر تھی۔

اس کے علاوہ آپ ایک بلند پایہ ادیب، ایک ممتاز نقاد، محقق اور مبصر بھی تھے۔ مولانا کی علمی و دینی خصوصیات کو اجاگر کرنے پر کافی توجہ دی گئی لیکن افسوس کی بات ہے کہ آپ کی ادبی وفنی صلاحیتوں کا تجزیہ کرنا بھی ضروری ہے لیکن اس طرف بہت کم توجہی رہی آپ کی شخصیت اور ادبی خدمات کے موضوع پر بہت سا تحقیقی کام کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اب تک اس طرف کم توجہ دی گئی۔

مقالہ نگار
ڈاکٹر محمد صبغۃ اللہ
موبائل ۹۴۴۸۳۵۳۸۲۵
مورخہ ۳۰ر نومبر ۲۰۱۳